© rasailojaraid.com

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ایک حدیث

حدیث و سیر کی تقریباً تمام کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلام کی زبانی آنحضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

ایھا الناس افشوا السلام و اطعموا الطعام، وصلوا الارحام، وصلوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنۃ بسلام (الدرر فی اختصار المغازی والسیر لابن عبدالبر ص۹۲ طبع قاہرہ ۱۳۸۶ھ)

اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ۔ (محتاجوں کو) کھانا کھلاؤ۔ صلۂ رحمی کرو اور شب کو جب لوگ محوِ خواب ہوں نماز (تہجد) ادا کرو، تو سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔

جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے میں داخل ہونے لگے تو تیز دھوپ ہونے کے باوجود اہلِ مدینہ استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ ان میں یہودِ مدینہ بھی تھے اور ان کے حبرو سردار سیدنا عبداللہ بن سلامؓ بھی تھے۔ ان کی پہلی نظر جب چہرۂ انور پر پڑی تو بے ساختہ دل نے گواہی دی کہ: ان وجھہ لیس بوجہ کذاب۔ (یہ پُر انوار چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا)۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام کے کانوں میں آنحضورؐ کی جو پہلی آواز پہنچی وہ یہی مذکورۂ بالا کلمات تھے۔ یہ کلمات سلام سے شروع ہو کر سلام ہی پر ختم ہوتے ہیں اور اسے سننے والے سلام کے فرزند عبداللہ ہیں۔ یہ بلاغتِ کلام بھی فرزندِ سلام پر اثر کیے بغیر نہ رہی ہوگی۔ کہتے ہیں کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس کا اطلاق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو، لیکن عبداللہ بن سلام جیسے پاک نفس اور حق پرست نے جو پہلا اثر لیا وہی آخر تک رہا۔ اس میں کبھی کوئی کمی نہیں آئی۔ ہر روز اضافہ ہی ہوتا گیا اور اسلام لا کر سلامتی کی زندگی اختیار کر لی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مذکورۂ بالا الفاظِ نبوی محض مسجع کلام نہیں بلکہ اس میں پورے اسلامی نظام کو چند لفظوں میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ انسانی معاشرہ اسی وقت ایک صالح اور خوشگوار جنتی معاشرہ بن سکتا ہے جب:

۱۔ باہمی تعلقات خوشگوار ہوں۔

۲۔ معاشی زندگی میں ہمواری ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ ہدایاتِ الٰہی پر عمل ہو۔

۴۔ آخرت بھی ہر آن پیشِ نظر رہے۔

یہی وہ باتیں ہیں جو اس ارشاد میں بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ گویا مدینہ منورہ آتے ہی حضورؐ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

ان ارشادات میں سب سے پہلے یہ فرمایا کہ: افشوا السلام (سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو) یہ سلام محض کورنش یا (SALUTE) نہیں۔ السلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو۔ یہ دراصل ایک دلی آرزو اور مخلصانہ تمنا ہے جس نے دعائیہ الفاظ کا پیکر اختیار کر لیا ہے۔ یہ محض رسمی کورنش نہیں، ایک جذبۂ دروں ہے۔ ایک ہمہ گیر خواہش ہے کہ تم سلامت رہو آفات سے محفوظ رہو۔ حالات کچھ بھی ہوں مگر تم سلامتی ہی سے ہمکنار رہو۔ اس کے افشا اور پھیلاؤ کا مقصد ہی یہ ہے کہ سلام کرنے والا سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ وہ ایسا نظامِ زندگی چاہتا ہے جس میں کوئی کسی کے لیے باعثِ آزار نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ صحیح معنوں میں اسلام چاہتا ہے جس کا مادّہ وہی ہے جو سلام کا مادہ یعنی سلم ہے جس کے معنی صلح و آشتی اور سلامتی ہیں۔ یہی ہے رسالت کا وہ پہلا پیغام جو اہلِ مدینہ کے کانوں نے سُنا۔

اس کے بعد دوسرا جملہ ہے: واطعموا الطعام (کھانا کھلاؤ) یہ ارشاد اسلام کے پورے معاشی نظام کا موٹو ہے۔ حضورؐ یہ جتا رہے ہیں کہ ہمارا دین محض زبانی کلامی فلسفہ نہیں جس میں خوش آئند باتیں ہوں۔ ذہنی پروازیں ہوں۔ محض روحانی، اخلاقی اور اُخروی گفت گوئیں ہوں اور معاشی و معیشی زندگی کی پیچیدگیوں کا کوئی حل نہ ہو۔ ایسے نظام کو کون پسند کرے گا جس میں زندہ رہنے کی سہولتیں نہ ہوں۔ حضورؐ نمازِ تہجد کا ذکر فرمانے سے پہلے طعام کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہاں کھانا کھلانے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ بس کبھی کبھار کسی غریب کو روٹی دے کر ثوابِ دارین حاصل کر لیا کرو اور رہو کے، غریب ہمیشہ روٹیوں کے لیے تمہاری طرف ترستی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے رہیں اور زندگی بھر اسی محتاجی کی حالت میں رہیں۔ استغفراللہ۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو اسلامی مساوات کی روح کے خلاف ہے اور اس سے انسانیت حاجت مند و حاجت روا کے دو مختلف طبقوں میں منقسم ہو جاتی ہے ... ارشاد ... معاشرہ قائم کرنا ہے کہ کوئی بھوکا نہ رہے ننگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ رہے ۔ لا مکاں نہ رہے ۔ بے علم و بے تربیت نہ رہے ۔ بیمار و فکر مند نہ رہے ۔ ہر فرد کو زندگی کی سہولتیں یکساں حاصل ہوں ۔ طعام سے مراد محض دو روٹیاں نہیں بلکہ پوری معاشی و معیشی زندگی ہے ۔ اور افشوا السلام کا یہی پہلا عملی مظاہرہ ہے ۔

پھر ارشاد ہوا : وصلوا الارحام (صلۂ رحمی کرتے رہو) ۔ صلۂ رحمی بھی افشوا السلام ہی کا عملی مظہر اور انسانیت کا ایسا امتیازی نشان ہے جو حیوانوں میں نہیں پایا جاتا ۔ انسان کو عام حیوانی سطح سے بلند کرنے والی یہی اخلاقی صفت ہے ۔ اس ارشاد کے اندر جو روح کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ صلۂ رحمی کا دائرہ محض چند قریبی نفوس کے اندر تنگ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے ساری اولاد آدم پر محیط ہونا چاہیے ۔ اس لیے کہ دراصل سارے بنی آدم ایک دوسرے کے اولوا الارحام ہیں اور سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں ۔

اس کے بعد ایک بنیادی روحانی فریضے کی طرف حضورؐ یوں متوجہ فرماتے ہیں کہ : وصلوا باللیل والناس نیام (شب کو اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ محوِ خواب ہوں) یہاں نماز پنجگانہ کا ذکر نہیں، اس لیے کہ یہ تو وہ فرض ہے جو ادا کرنا ہی ہے ۔ جو کام کرنا ہی پڑے اس کا اجر تو ملتا ہے لیکن تقربِ الٰہی نوافل ہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور اسی کی بدولت درجات و مراتب حاصل ہوتے ہیں ۔ اس دنیا میں بھی یہی اصول کارفرما ہے ۔ اگر ایک شخص مثلاً چھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہر روز ادا کرے تو بلاشبہ اسے معاوضہ محنت پورا مل جائے گا لیکن اگر وہ کوئی Over Time کی طمع کے بغیر اپنی خوشی سے سات یا آٹھ گھنٹے کام کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے اس کام کی لگن ہے ، اس سے دلچسپی ہے ، اس میں خیر خواہی کا سچا جذبہ ہے اور وہ تکمیلِ کار ہی کو کام کا معاوضہ سمجھتا ہے ۔ یہ طریقِ کار ایک ایسا شریفانہ رجحان ہے کہ اگرچہ اس کے معاوضے میں کوئی اضافہ ہو یا نہ ہو لیکن اسے محبوبیت، ہر دلعزیزی، احترام اور تقرب مراتب ضرور حاصل ہوتے ہیں ۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابوہریرہ رضؓ سے ایک حدیثِ قدسی مروی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :

.... میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے تو وہ میرا ایسا محبوب ہو جاتا ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے ۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے ۔ پھر وہ اگر مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں ... (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع ص ۹۶۳ جلد دوم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث قدسی کی تشریح اس وقت پیش نظر نہیں۔ بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تقرب کے اس درجے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام دید و شنید اور سارے حرکات و سکنات مرضی الٰہی کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ ہے درجہ نوافل کا۔

صلوٰۃ پوری اسلامی زندگی کی سمٹی ہوئی مثالی شکل ہے جیسا کہ ہم اپنے بعض مضامین میں ظاہر کر چکے ہیں صلوٰۃ کا تعلق پوری زندگی سے ہے اور یہ تمام اعمالِ حیات کو سمیٹ لیتی ہے۔ پس صلوٰۃ میں جو افضل النوافل اور شب زندہ داری کو قائم کرنا ہے، اس کا ایک اثر تو یہ ہے کہ وہ فرائض کو بھی کوئی بوجھ سمجھ کر نہیں ادا کرتا۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اپنے باقی وظائف و اعمالِ زندگی میں بھی صرف اتنا ہی کچھ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا، جو اس پر عائد کیے گئے ہوں بلکہ اپنی خوشی دلی سے وہ کچھ بھی کرتا ہے جو اس کے فرائض سے زیادہ ہو۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصل ڈیوٹی سے بھی زیادہ کام کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔

آخر میں حضورؐ نے ان چاروں باتوں پر عمل کرنے کا نتیجہ یوں بیان فرمایا کہ: تدخلوا الجنۃ بسلام (اس طرح تم سلامتی کے ساتھ بہشت میں داخل ہو جاؤ گے) یہ چاروں ایسی بنیادی چیزیں ہیں جن کا نتیجہ فی الواقع جنت ہی ہے لیکن جنت اسی کے لیے ہے جس کی نظر آخرت پر ہو اور اس کے کسی کام کا مقصد محض حصول دنیا نہ ہو بلکہ اُخروی انعام ہو۔ اس انسان کی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو دنیا میں رہ کر بڑے سے بڑا کارنامہ انجام دیتا ہے۔ دوسروں کی بھلائی اور فائدے کے کام میں اپنی توانائیاں صرف کرتا ہے اور سب کو نفع پہنچاتا ہے مگر کوئی دولت یا عہدہ اور جاہ و منصب نہیں چاہتا۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کسی سے کوئی اجر نہیں طلب کرتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، اللہ کی خوشنودی اور اُخروی صلے کے لیے کرتا ہے۔ اس کا جس طرح اللہ پر ایمان ہوتا ہے اسی طرح آخرت کی سزا و جزا پر بھی ہوتا ہے۔ یہی ایمان بالآخرت وہ خطِ امتیاز ہے جو کافر کو مومن سے جدا کرتا ہے، ورنہ محض اچھا معاشی نظام تو غیر مسلم معاشرے میں بھی ہوا کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com